رضوان اللہ

البیان: خصائص و امتیازات

(۹)

۳۔ جز سے مراد کل

كَلَّا ۖ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ. (العلق ۹۶: ۱۹)

''ہرگز نہیں، تم اِس کی بات پر ہرگز دھیان نہ دو اور سجدہ ریز رہو اور اِس طرح میرے قریب ہو جاؤ۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

'وَاسْجُدْ' میں سجدے کا حکم دیا گیا ہے جو نماز کی عبادت کا ایک جزو ہے، لیکن اس سے مراد اُس کا کل، یعنی نماز ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں حضور کو قریش کے اُس سردار کی بات پر دھیان نہ کرتے ہوئے 'وَاسْجُدْ' کا حکم دیا گیا ہے جو آیت ۹ اور ۱۰ کے مطابق آپ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ البیان کے ترجمہ میں عربی کی طرح اصل مدعا کی تعبیر کے لیے سجدے کے لفظ کو کافی سمجھا گیا ہے، البتہ تفسیری نوٹ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

۴۔ کل سے مراد جز

قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ. (ہود ۱۱: ۶۹)

''ابراہیم نے جواب دیا: تم پر بھی سلامتی ہو۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ ابراہیم بھنا ہوا بچھڑا (اُن کی ضیافت کے لیے) لے آیا۔''

سیدنا ابراہیم کے پاس فرشتے خوش خبری لے کر پہنچے تو سلام دعا کے بعد زیادہ دیر نہیں گزری کہ 'جَآءَ بِعِجْلٍ

حَنِیْذٍ‘ (وہ ان کے سامنے بھنا ہوا بچھڑا لے آئے)۔ یہاں ’عِجْل‘ کا لفظ لایا گیا ہے جو کہ کل ہے، مگر اِس سے مراد اُس کا ایک جز لیا گیا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ انھوں نے مہمانوں کے سامنے اُس کے گوشت کا کچھ حصہ ہی پیش کیا ہو گا، مگر اُن کی مہمان نوازی اور فیاض طبیعت کو نمایاں کرنے کے لیے خدا نے جز کا ذکر کرنے کے بجاے کل، یعنی بچھڑے کا ذکر فرمایا ہے۔ البیان کے حواشی میں اس اسلوب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

ذیل کی یہ آیتیں بھی اس اسلوب کی اچھی مثال ہیں۔ اول الذکر میں انگلیوں کے لفظ سے مراد اُس کے پور ہیں اور ثانی الذکر میں پہاڑ سے مراد اس کا ایک حصہ ہے:

یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَھُمْ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ. (البقرہ ۲: ۱۹)

”وہ موت کے ڈر سے کڑک کے مارے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونسے لے رہے ہیں۔“

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا. (الاعراف ۷: ۱۴۳)

”پھر جب اُس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی تو اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۵۔ لازم سے مراد ملزوم

وَمَا کُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْھَدَ عَلَیْکُمْ سَمْعُکُمْ وَلَآ اَبْصَارُکُمْ وَلَا جُلُوْدُکُمْ. (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۲۲)

”تم یہ اندیشہ نہیں رکھتے تھے کہ تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور تمھارے جسموں کے رونگٹے تمھارے خلاف گواہی دیں گے۔“

دیگر تراجم میں بالعموم اس اسلوب کا ادراک نہیں ہو پایا، چنانچہ ’تَسْتَتِرُوْنَ‘ کا ترجمہ اس کے حقیقی معنی کے لحاظ سے ”چھپنا“ کر دیا گیا ہے، مگر دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس کے نتیجے میں بعض ترجموں میں اِبہام اور بعض میں ایک طرح کا داخلی تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ یہاں اصل میں لازم، یعنی چھپنا بول کر اُس کا ملزوم، یعنی ڈر نامراد لیا گیا ہے، اس لیے کہ جو شخص ڈرتا ہے، وہ لازمی نتیجے کے طور پر چھپنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ البیان میں اسی اسلوب کی رعایت ہے کہ ترجمے میں ”اندیشہ“ کا لفظ لایا گیا ہے۔

۶۔ ملزوم سے مراد لازم

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ. (الکہف ۱۸: ۵۴)

”ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کی رہنمائی کے لیے ہر قسم کی تنبیہات طرح طرح سے بیان کر

دی ہیں۔''

اس آیت میں اوپر کی مثال کے برخلاف یہ ہوا ہے کہ ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے۔ مثل کا مطلب تو مثال ہی ہے، مگر یہاں اِس سے اصل میں اُس کا لازم، یعنی تنبیہ مراد ہے کہ مثال اِس لیے بھی سنائی جاتی ہے کہ اس کے لازمی نتیجے کے طور پر لوگوں کو تنبیہ حاصل ہو۔ سو یہی وجہ ہے کہ البیان میں 'مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ' کا ترجمہ ''ہر قسم کی تنبیہات'' کیا گیا ہے۔

اس آیت میں بھی اس کی ایک اچھی مثال ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ. (الاعراف ۷: ۴۰)

''یہ قطعی ہے کہ جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کر کے ان سے منہ موڑا ہے، اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مستکبرین کے لیے فرمایا ہے کہ اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دروازوں کو کھولنے کی نفی کرنے کے بجاے اُس کے لازم کی نفی کرنا مقصود ہے، یعنی بتایا گیا ہے کہ وہاں ان لوگوں کا ہرگز استقبال نہیں ہوگا کہ اس کے لیے دروازوں کو اہتمام سے کھولا جائے۔

۷۔ ظرف سے مراد مظروف

كَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ ۙ لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ. نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ. فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ. سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ. (العلق ۹۶: ۱۵-۱۸)

''(یہ کچھ نہیں)، ہرگز نہیں۔ اگر یہ باز نہ آیا تو ہم اِس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹیں گے، جھوٹی نابکار چوٹی! پھر وہ بلا لے اپنے ہم نشیں، ہم اپنے سرہنگ بلاتے ہیں۔''

'نَادِی' کا مطلب مجلس ہے، مگر یہاں اُس مجلس کے لوگ مراد ہیں۔ گویا ظرف بول کر اُس کا مظروف، یعنی اُس مجلس میں بیٹھنے والے لوگ مراد لیے ہیں کہ 'فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ' کے مطابق خدا نے اُنھیں ہی بلا لانے کا چیلنج دیا ہے۔ البیان میں یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا ترجمہ ''ہم نشیں'' کیا گیا ہے۔

۸۔ مضارع سے مراد امر

قَالَ تَزۡرَعُوۡنَ سَبۡعَ سِنِيۡنَ دَاَبًا ۚ

''یوسف نے کہا: سات برس تک تم برابر کھیتی

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ.(یوسف ۱۲: ۴۷)

کرو گے، لہٰذا جو فصل تم کاٹو، اُس میں سے تھوڑا سا نکال کر جو تم کھاؤ گے، باقی سب اُس کی بالیوں میں چھوڑ دو۔''

'تَزْرَعُوْنَ' مضارع ہے اور اس سے مراد کوئی خبر دینا نہیں، بلکہ حکم دینا ہے اور اس پر عطف ہونے والے 'فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ' میں آنے والے امر کے صیغے نے تو اسے بالکل کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یہ اسلوب چونکہ اردو میں بھی عام طور پر رائج ہے، اس لیے البیان میں اُسے ہی اختیار کر لیا گیا اور الگ سے وضاحت کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

۹۔ مضارع سے مراد نہی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ.(البقرہ ۲: ۸۴)

''اور یاد کرو، جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں خون نہ بہاؤ گے اور اپنے لوگوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالو گے۔''

'لَا تَسْفِكُوْنَ' مضارع نفی کا صیغہ ہے، مگر اس آیت میں اس سے مراد نفی کی کوئی خبر دینا نہیں، بلکہ نہی کو بیان کرنا ہے کہ یہاں میثاق کا لفظ خود اس بات کا تقاضا کر رہا ہے۔

یہ آیت بھی اس اسلوب کی ایک اچھی مثال ہے:

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۪ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ.(النور ۲۴: ۳)

''(اس سزا کے بعد) یہ زانی کسی زانیہ یا مشرکہ ہی سے نکاح کرے گا اور اِس زانیہ کو بھی کوئی زانی یا مشرک ہی اپنے نکاح میں لائے گا۔''

'یَنْكِحُ' مضارع ہے، مگر اس آیت میں دونوں جگہ اس سے مراد مستقبل میں نکاح کی نفی نہیں، بلکہ اُس کی نہی کرنا ہے کہ یہ جملہ اصل میں پچھلی آیت میں دی جانے والی سزا کا شاخسانہ ہے۔ البیان میں اس پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے قوسین کے اندر یہ الفاظ لکھ دیے گئے ہیں: ''اس سزا کے بعد''، اور یہ معاملہ کہ یہاں مضارع سے مراد نہی ہے، اس کی وضاحت تفسیری نوٹ میں بہ خوبی کر دی گئی ہے۔

۱۰۔ لفظ سے مراد نتیجہ

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ

''اب چکھو، اپنے اُس فتنے کا مزہ جس میں تم مبتلا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تَسْتَعْجِلُوْنَ.(الذاریات۵۱:۱۴) | رہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کے لیے تم جلدی مچائے ہوئے تھے۔''

اس آیت میں آخرت سے بے پروا ہو جانے والوں کا انجام بیان ہوا ہے کہ اُس دن کہا جائے گا: 'ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ'۔ یہاں 'فِتْنَة' سے مراد اصل میں اُس کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ البیان میں اس کے لیے ''فتنے کا مزہ'' کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

۱۱۔ ذریعہ سے مراد اُس کا حاصل

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ. (الشعراء۲۶:۸۴) | ''اور بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔''

اس آیت میں 'لِسَان' سے مراد وہ زبان نہیں ہے جو بولنے کا ایک آلہ ہے۔ اس سے مراد اصل میں اس زبان کے ذریعے سے حاصل ہونے والا ذکر ہے۔ سو یہی وجہ ہے کہ البیان میں حضرت ابراہیم کی دعا میں آنے والے 'لِسَانَ صِدْقٍ' کا ترجمہ ''ذکر خیر'' کیا گیا ہے۔[۳۲]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کنایہ

کنایہ بھی مجاز کی ایک قسم ہے۔ اس میں بیان ہونے والی بات ایک واقعہ ہوتی ہے، مگر اس کے باوجود اُس سے مقصود کسی اور بات کا ابلاغ ہوتا ہے:

۱۔ تلویح

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ. وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ.(صٓ۳۸:۱۲-۱۳) | ''اِن سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والا فرعون اور ثمود اور قوم لوط اور ایکہ والے بھی جھٹلا چکے ہیں۔ یہ گروہ تھے جنھوں نے اِسی طرح

۳۲۔اس بحث کے ضمن میں یہ بات بھی واضح رہے کہ قرآن میں جس طرح کسی لفظ کو اُس کے حقیقی معنی کے بجاے مجاز میں برت لیا جاتا ہے، اسی طرح مجاز میں پہلے سے معروف ہو چکے کسی لفظ کو بھی استعمال کر لیا جاتا ہے، جیسا کہ 'وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ' میں 'ثوب' سے کسی قسم کا کوئی کپڑا نہیں، بلکہ اہل زبان کے ہاں رواج پا چکا اُس کا مجازی معنی، یعنی دامن دل مراد ہے (المدثر۷۴:۴)۔

شکست کھائی۔''

تلویح میں استدلال کے کئی مدارج طے کرنے کے بعد یہ جانا جاتا ہے کہ مذکورہ بات سے مقصود اُس کا کوئی لازم ہے۔ 'اَلْاَوْتَاد' کا مطلب میخیں ہے، مگر آیت کے سیاق میں اس سے مراد خیمے ہیں۔ یہی خیمے تھے جن میں فرعون کی فوجیں مستقل طور پر قیام کرتی تھیں، اس لیے اِن خیموں سے اُس کی افواج اور اُن کی کثرت کو کنایہ کر لیا گیا ہے۔ البیان کے حواشی میں اس کنایے کی اچھی طرح سے وضاحت کر دی گئی ہے۔

۲۔ رمز

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ. (سبا ۳۴: ۱۳)

''وہ اُس کے لیے جو وہ چاہتا تھا، بناتے تھے: محرابیں، مجسمے، بڑے بڑے حوض جیسے لگن اور پہاڑ جیسی (چولھوں پر) جمی ہوئی دیگیں۔''

رمز میں مذکور بات اور اُس کے مقصود کے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ عربی زبان میں جب کسی شخص کے بارے میں کہا جائے کہ وہ 'قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ' رکھتا ہے تو محض اس بات سے اُس کی سخاوت اور فیاضی کا ایک اچھا بیان ہو جائے گا۔ یہاں ان الفاظ سے سلیمان علیہ السلام کے جود و کرم پر کنایہ کیا گیا ہے، اور البیان میں اس پر ایک وضاحتی نوٹ لکھ دیا گیا ہے۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ مذکور بات میں موجود نفی سے اُس کے ملزوم کی نفی مقصود ہوتی ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ. (المدثر ۷۴: ۴۸)

''تب اِن کے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اِن کے کچھ کام نہ آئے گی۔''

مجرمین کے بارے میں فرمایا ہے کہ اُنھیں آخرت میں کسی شافع کی شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی۔ یہ اگرچہ ایک حقیقت کا بیان ہے، مگر اس بات سے مقصود اصل میں ملزوم کی نفی کرنا ہے، یعنی یہ بتانا ہے کہ اُن کے لیے سرے سے وہاں کوئی شافع موجود ہی نہ ہو گا۔

۳۔ تعریض

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ. (البقرہ ۲: ۹۶)

''اور (اس میں شبہ نہیں کہ) جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔''

تعریض میں مذکور بات سے مقصود کوئی اور بات ہوتی ہے، مگر وہ بات اِس کا لازم نہیں، بلکہ کلام میں موجود

کسی قرینے کا تقاضا ہوتی ہے۔ یہود کے جرائم اور دنیوی زندگی پر اُن کے حرص کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ خدا کا دیکھنا ایک حقیقت ہے، مگر اس کو بیان کرنے کے پیش نظر یہاں اصل میں یہ بتانا ہے کہ وہ چونکہ دیکھ رہا ہے، اس لیے اُنھیں لازمی طور پر اُن کے جرائم کی سزا بھی دے گا۔ سزا دینا دیکھنے کے عمل کا کوئی لازمہ نہیں ہے، مگر کلام میں موجود قرائن بہر حال اسی بات کا تقاضا کر رہے ہیں۔

دیگر اسالیب

اس بحث کے آخر میں ہم بعض اُن اسالیب کو بھی بیان کیے دیتے ہیں جو اگرچہ مجازات کے تحت نہیں آتے، مگر وہ بلاغت کے ذیل میں بیان ہوتے اور ترجمہ کے کام میں اچھی خاصی اہمیت رکھتے ہیں:

۱۔ نفی میں مبالغہ

عربی زبان میں جب مبالغے پر نفی آجائے تو اس سے نفی میں مبالغے کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے:

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ. (آل عمران ۳: ۱۸۲)

''یہ اُسی کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا تھا اور یہ کہ اللہ اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

'ظَلَّام' جو فعّال کا وزن ہے اور مبالغہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یہاں اس پر حرف نفی آگیا ہے۔ عام طور پر مترجمین اس اسلوب سے واقف نہیں ہیں، اس لیے اس کا ترجمہ 'لیس بظالم'، یعنی ''وہ ظالم نہیں ہے'' کرتے ہیں۔ ان کے برخلاف، البیان میں اس اسلوب کی رعایت سے 'مبالغة في النفي' کو اس طرح ادا کیا گیا ہے: ''ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

۲۔ 'ما کان' کا اسلوب

'ما کان' کا اسلوب کسی پر بیان الزام کے لیے بھی آتا ہے اور اس کے بالکل برعکس، رفع الزام کے لیے بھی:

اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. (البقرہ ۲: ۱۱۴)

''اِن کے لیے اِس کے سوا کچھ زیبا نہ تھا کہ اِن (معبدوں) میں جائیں تو اللہ سے ڈرتے ہوئے جائیں۔ (لیکن اِنھوں نے سرکشی اختیار کی تو اب) اِن کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور قیامت میں

بھی ایک بڑا عذاب اِن کا منتظر ہے۔''

اہل کتاب کو پیغمبروں کے ذریعے سے ہدایت دی گئی تھی، مگر وہ خدا کے گھروں کو ویران کرنے کے درپے ہوئے، ان کے بارے میں فرمایا ہے: 'مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ'۔ یہ خوبی جان لیا جا سکتا ہے کہ یہاں 'مَا كَانَ' کا اسلوب بیانِ الزام کے لیے آیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ترجمہ میں اسے یوں ادا کیا گیا ہے:

''ان کے لیے اس کے سوا کچھ زیبا نہ تھا۔''

رفعِ الزام کی مثال میں یہ آیت دیکھ لی جانی چاہیے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ. (آل عمران ۳: ۱۶۱)

''(یہ سمجھتے ہیں کہ اِس جنگ کے لیے باہر نکل کر پیغمبر نے اِن سے بدخواہی کی ہے۔ ہرگز نہیں)، یہ کسی پیغمبر کے شایان شان ہی نہیں کہ بدخواہی کرے اور (اِنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جو کوئی بدخواہی کرے گا، قیامت کے دن وہ اپنی اِس بدخواہی کے ساتھ ہی حاضر ہو گا۔ پھر ہر شخص کو اُس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور اُن پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام لگایا گیا کہ اُنھوں نے شہر میں رہ کر دفاع کرنے کے بجاے اُحد کے میدان میں لڑائی کرنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح اپنی قوم سے بدخواہی کا معاملہ کیا ہے۔ قرآن نے اس الزام کو دور کرنے کے لیے فرمایا: 'وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ'۔ البیان میں اس اسلوب کو یوں نمایاں کیا ہے کہ قوسین کے اندر منافقین کا الزام اور اس کا رد کیا گیا اور ترجمہ میں ان الفاظ کو لایا گیا ہے: ''یہ کسی پیغمبر کے شایان شان ہی نہیں کہ بدخواہی کرے۔''

ذیل کی آیت اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ اس میں 'مَا كَانَ' کے اسلوب کو رفع الزام کے بجاے بیان الزام کا قرار دے دیا گیا ہے اور اس کے نتیجے میں نہایت سنجیدہ سوالات اس کے بارے میں پیدا ہو گئے ہیں:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ. (الانفال ۸: ۶۷)

''(اِنھیں اعتراض ہے کہ تم لوگوں نے یہ سب خون ریزی قیدی پکڑ کر اُن سے فدیہ لینے

کے لیے کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ) کسی پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اُس کو قیدی ہاتھ آئیں، یہاں تک کہ (اس کے لیے) وہ ملک میں خون ریزی برپا کر دے۔''

البیان میں اس 'مَا کَانَ' کو رفع الزام کا قرار دیا گیا ہے اور دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس طرح یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں، بلکہ اُن پر لگائے گئے الزامات کی ایک کامل تردید ہو جاتی ہے۔

۳۔ نفیِ جواز

عربی زبان میں لائے نفی جنس جس طرح وقوع اور امکان کی نفی کے لیے آتا ہے، اسی طرح جواز کی نفی کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ. (الروم ۳۰: ۳۰)

''تم اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کی پیروی کرو، (اے پیغمبر)، جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی اِس فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

'لَا تَبْدِیْلَ' کا یہاں مطلب، ظاہر ہے کہ یہ ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت تبدیل نہیں ہوتی یا تبدیل نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ یہ نفی جواز کے لیے ہے اور اس کا مطلب ہے کہ اس فطرت کو تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔ البیان کے ترجمہ میں ''تبدیلی نہیں ہو سکتی'' اصل میں اسی پہلو کو بیان کر رہا ہے اور اس کے تفسیری نوٹ میں اس کے متعلق مزید وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

۴۔ لائے نہی کا اعادہ

بعض اوقات ایک بات پر لائے نہی لا کر دوسری بات کو اس پر عطف تو کر دیا جاتا ہے، مگر اس کے بعد لائے نہی کا اعادہ نہیں کیا جاتا۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں اصل میں ایک ہی حقیقت کو ظاہر کر رہی ہوتی ہیں اور دوسری کی حیثیت پہلی کی وضاحت اور اُس کے مقصد کو بیان کرنے کی ہوتی ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (البقرہ ۲: ۴۲)

''اور حق کو باطل سے نہ ملاؤ، (یہ حق کو چھپانے کی کوشش ہے) اور جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی

کوشش نہ کرو۔''

'وَتَکۡتُمُوۡا' اصل میں 'لَا تَلۡبِسُوۡا' پر عطف ہوا ہے، مگر اس پر لاے نہی کا اعادہ نہیں ہوا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حق و باطل کو آپس میں ملانے سے مقصود اصل میں حق بات کو چھپانے کی کوشش کرنا ہے۔ البیان میں قوسین کے اندر چند الفاظ لا کر اس اسلوب کو اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

باب چہارم

توضیحات

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآن کے ترجمے میں جس طرح ضروری ہوتا ہے کہ لفظ کا معنی اور اس کی مراد بتائی جائے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ جہاں مناسب ہو کچھ وضاحتیں بھی کر دی جائیں۔ یہ وضاحتیں اپنی نوعیت میں اس طرح کی بھی ہوتی ہیں کہ اگر انھیں بیان نہ کیا جائے تو عام قاری کے لیے اصل مدعا تک پہنچنا ذرا مشکل ہو جائے۔ البیان میں یہ توضیحات جن اغراض کے پیش نظر کی گئی ہیں، ہم اُن میں سے چند ایک کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں: [۳۳]

۱۔ تمہید اٹھانا

کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اردو ترجمے میں کوئی بات یہ تقاضا کر رہی ہوتی ہے کہ اُسے توضیح کے طور پر ایک تمہید فراہم کی جائے:

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوۡنَ. (الانعام ۶: ۵۰)

''کہہ دو، (میرا سوال صرف یہ ہے)، کیا اندھے اور دیکھنے والے، دونوں یکساں ہو جائیں گے؟ کیا تم

۳۳۔ دیکھا جائے تو تفسیری نوٹ بھی اپنی حقیقت میں سراسر وضاحت ہوتے ہیں، مگر ہم یہاں زیادہ تر ترجمہ میں کی جانے والی توضیحات کو بیان کریں گے۔

غور نہیں کرتے؟''

منکرین کے بے جا مطالبات کے جواب میں فرمایا ہے کہ آپ کہہ دیں، میں یہ دعویٰ نہیں کر رہا کہ میں کوئی فرشتہ یا غیب کو جاننے والا یا خدا کے خزانوں کا کوئی مالک ہوں، بلکہ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ مجھ پر جو وحی اتر رہی ہے، میں اُس کی اتباع کر رہا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا ہے: 'قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ'۔ ان سے کہہ دیجیے کیا اندھے اور دیکھنے والے دونوں یکساں ہو جائیں گے؟ ان دو باتوں کو ملا کر پڑھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ اردو ترجمے میں دوسری بات کو ایک تمہید چاہیے۔ سوالبیان میں قوسین کے اندر اس تمہید کی وضاحت کر دی گئی ہے: ''کہہ دو، (میرا سوال صرف یہ ہے)۔''

۲۔ تکمیل کرنا

تمہید کی طرح بعض اوقات یہ بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ترجمہ میں کسی بات کی تکمیل بھی بیان کر دی جائے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ. وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ.(ص۳۸: ۱۲-۱۳)

''اِن سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والا فرعون اور ثمود اور قوم لوط اور ایکہ والے بھی جھٹلا چکے ہیں۔ یہ گروہ تھے جنھوں نے اِسی طرح شکست کھائی۔''

پچھلی آیت میں فرمایا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا لشکر بھی ہو، وہ ضرور شکست کھا کر رہے گا۔ اس کے بعد ماضی کی بعض اقوام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: 'اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ'۔ یہ وہی گروہ ہیں۔ دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس جملے کو اگر تکمیل کا رنگ دے دیا جائے، جیسا کہ البیان میں دیا گیا ہے: ''یہ گروہ تھے جنھوں نے اِسی طرح شکست کھائی''، تو بات کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔

۳۔ خلا پورا کرنا

بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ ترجمے میں کہیں خلا سا محسوس ہوتا ہے۔ اس خلا کو ہر وہ شخص بھر سکتا ہے جو ذہانت کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا اچھا ذوق بھی رکھتا ہو۔ عام قارئین کے لیے بہر حال ضروری ہوتا ہے کہ ترجمے میں کچھ توضیحات لا کر اس طرح کے خلا کو بھر دیا جائے:

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ.(ص۳۸: ۶۳)

''کیا (اس لیے کہ) ہم نے یونہی (محض شرارت سے) اُن کو مذاق بنا لیا تھا یا (وہ بھی یہاں موجود ہیں

اور) اُن سے ہماری نگاہیں چوک رہی ہیں۔''

جہنم میں جانے والے آپس میں تو تکار کرتے ہوئے پوچھیں گے: کیا وجہ ہے، ہم اُن لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے جن کو ہم بروں میں گنا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ کہیں گے: ہم نے انھیں مذاق بنا لیا تھا یا اُن سے ہماری نگاہیں چوک رہی ہیں۔ غور کیا جائے تو یہاں چند ایک خلا ہیں۔ یعنی، کیا ہم نے انھیں ایسے ہی مذاق بنا لیا تھا، وگرنہ اُن کا جہنم میں کیا کام؟ یا وہ لوگ تو یہاں موجود ہیں، مگر ہمیں نظر نہیں آ رہے۔ البیان میں انھیں اس طرح بھرا گیا ہے کہ پہلے جملے میں ''محض شرارت سے'' اور دوسرے جملے میں ''وہ بھی یہاں موجود ہیں اور'' کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

۴۔ تقاضا بیان کرنا

قرآن میں کوئی بات بیان ہوتی ہے، مگر اُس کا تقاضا جو ذرا سے غور و فکر کے بعد آپ سے آپ سمجھ لیا جا سکتا ہے، اُسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاتا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ. (الحجرات ۴۹: ۷)

''اور تم یہ بات بھی اچھی طرح جان رکھو کہ تمھارے اندر خدا کا رسول موجود ہے، (لہٰذا کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اپنی رایوں پر اصرار کرو)۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمھاری بات مان لیا کرے تو تم بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

'وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ' کا جملہ، ظاہر ہے کہ اس بات کی خبر دینے کے لیے نہیں آیا کہ اللہ کے رسول اُن میں بنفس نفیس موجود ہیں، بلکہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی سے پیدا ہونے والا ایک تقاضا بیان کرنا مقصود ہے۔ البیان میں سیاق و سباق کی روشنی میں اس کی توضیح آیت کے ترجمے کے بعد اس طرح کی گئی ہے: ''لہٰذا کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اپنی رایوں پر اصرار کرو۔''

۵۔ جملہ رواں کرنا

ہر زبان میں بیان کرنے کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے، اس لیے دوسری زبانوں میں ترجمہ کرتے ہوئے بعض اوقات ایک سکتہ سا آ جاتا ہے جو جملے کی سلاست کو حد درجہ متاثر کرتا ہے۔ اس طرح کے مواقع پر ضروری ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی نہ کوئی مناسب حال فقرہ لکھ دیا جائے:

سَاُوْرِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ. سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ.(الاعراف ۷: ۱۴۵-۱۴۶)

''میں عنقریب تمھیں نافرمانوں کے گھر دکھاؤں گا۔(تم دیکھو گے کہ) میں عنقریب اُن لوگوں کو اپنی نشانیوں سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔''

ان دو جملوں کا ترجمہ اگر بغیر کسی توضیح کے پڑھا جائے تو ان کی روانی میں ایک طرح کا خلل آتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ البیان میں اسے رواں کرنے کے لیے ''تم دیکھو گے کہ'' الفاظ لائے گئے ہیں اور ان کا انتخاب بھی خود ان جملوں کے شروع میں آنے والے فعل 'اِرَاءَۃ' کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

۶۔ مرجع ظاہر کرنا

بعض اوقات ضمائر کے مرجع کلام میں واضح طور پر موجود نہیں ہوتے، چنانچہ لازم ہوتا ہے کہ اُن کے بارے میں اچھی طرح سے وضاحت کر دی جائے:

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ.(المؤمنون ۲۳: ۷۶)

''ہم نے اُن کو عذاب میں پکڑ لیا تھا(جو اگلوں میں اِنھی جیسے تھے)، لیکن نہ اُن کے دل اُن کے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ وہ کبھی گڑگڑاتے تھے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پچھلی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ تمھارے یہ مخاطبین کسی صورت بھی تمھاری دعوت کو ماننے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: 'وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ'۔ ہم نے اُنھیں عذاب میں پکڑ لیا تھا۔ یہاں 'هُمْ' کی ضمیر کے بارے میں اگر کوئی وضاحت نہ کی جائے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ قاری اسے آپؐ کے براہ راست مخاطبین کی طرف راجع سمجھ لے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ البیان میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے: ''ہم نے اُن کو عذاب میں پکڑ لیا تھا(جو اگلوں میں اِنھی جیسے تھے)۔''

ذیل کی آیت ایک اور طرح سے مرجع کو نمایاں کرنے کی بڑی خوب صورت مثال ہے:

اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ. (النساء ۴: ۴۷)

''یا اُن پر بھی (جن کے یہ چہرے ہیں) اُسی طرح لعنت کر دیں، جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت کر دی تھی۔''

اہل کتاب سے فرمایا ہے کہ تم لوگ مان لو اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور اُن کو پیچھے کی طرف الٹ

کر برابر کر دیں۔ اس کے بعد فرمایا ہے: 'اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ'۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'هُمۡ' کی یہ ضمیر کس کی طرف راجع ہے۔ اصل میں پچھلی آیت میں 'وُجُوۡهًا'، یعنی چہروں کو بگاڑنے کا جو ذکر آیا ہے، وہ اصل میں انھی منکرین کے چہرے ہیں، مگر بے زاری اور کراہت کے اظہار کے لیے ان لوگوں کا ذکر کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اس کے بعد ان سے رخ پھیرا ہے، مگر 'نَلۡعَنَهُمۡ' میں انھی کی رعایت سے 'هُمۡ' کی ضمیر غائب کو استعمال کر لیا ہے۔ البیان میں اس مرجع کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''یا اُن پر بھی (جن کے یہ چہرے ہیں) اُسی طرح لعنت کر دیں۔''

۷۔ زبان حال کی تعبیر کرنا

بارہا ایسا ہوتا ہے کہ یہ وضاحت کیے بغیر کہ متکلم کون ہے، امر کے صیغوں میں کوئی بات کہہ دی جاتی ہے۔ یہ اُن مواقع پر بھی ہوتا ہے جہاں آنے والا قول زبان قال سے نہیں، بلکہ زبان حال سے ادا ہو رہا ہوتا ہے:

كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ. (سبا ۳۴: ۱۵)

''(یہ سب زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ) اپنے پروردگار کی بخشی ہوئی روزی کھاؤ اور اُس کے شکر گزار رہو۔ زمین زرخیز و شاداب اور پروردگار بخشش فرمانے والا۔''

پچھلی آیت میں فرمایا ہے کہ اہل سبا کے لیے اُن کے اپنے مسکن میں بہت بڑی نشانی تھی۔ دائیں بائیں، باغوں کی دو قطاریں۔ اس کے بعد فرمایا ہے: 'كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ'۔ یہاں اس قول کا کوئی حقیقی متکلم موجود نہیں ہے، بلکہ یہ اُن پر ہونے والے انعامات کی فراوانی ہے جو زبان حال سے اُنھیں کھانے اور خدا کا شکر ادا کرنے کی دعوت دے رہی ہے۔ یہی توضیح پیش نظر ہے کہ البیان میں اس مقام کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے: ''(یہ سب زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ) اپنے پروردگار کی بخشی ہوئی روزی کھاؤ اور اُس کے شکر گزار رہو۔''

۸۔ تاثرات بیان کرنا

بات کرنے والا ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی تاثر، جیسا کہ غم اور خوشی، طمع یا خوف یا پھر عجز اور تکبر کے ساتھ اپنی بات کو ادا کر رہا ہوتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں ہر مقام پر ان تاثرات کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاتا۔ ترجمہ کو پر اثر بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جا بجا انھیں بھی واضح کر دیا جائے:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ

''اور جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اُسی

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ. (البقرہ ۲: ۱۳)

طرح ایمان لاؤ، جس طرح (تمھارے سامنے) یہ لوگ ایمان لائے ہیں تو (بڑے تکبر سے) کہتے ہیں کہ ہم کیا اِن احمقوں کی طرح ایمان لائیں؟''

جب منافقین کے ایک گروہ کو یہ کہتے ہوئے حق کی دعوت دی جاتی کہ وہ سچے مسلمانوں جیسا ایمان لائیں تو وہ بڑی رعونت اور نخوت کے ساتھ کہتے کہ ہم کیا اِن احمقوں کی طرح ایمان لائیں؟ یہی وہ تاثر ہے جسے البیان میں ''تو (بڑے تکبر سے) کہتے ہیں'' کے الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

ان تاثرات کو قوسین کے بجاے ترجمہ میں کسی معقول لفظ کے انتخاب سے بھی ادا کیا گیا ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۖ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (الاعراف ۷: ۲۳)

''دونوں بول اٹھے: پروردگار، ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اب اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور نامراد ہو جائیں گے۔''

جب آدمؑ و حوّا درخت کا پھل کھا بیٹھے اور اِس پر اُن کے پروردگار نے اُنھیں تنبیہ کی تو وہ مذکورہ بالا دعا کرتے ہوئے اُس کی طرف رجوع لائے۔ اُن کی دعا میں بے قراری اور فوری طور پر تائب ہو جانے کا جو تاثر ہے، البیان کے ترجمہ میں ''بول اٹھے'' کے الفاظ کا انتخاب اُسے اچھی طرح سے واضح کر رہا ہے۔

۹۔ ربط نمایاں کرنا

قرآن میں ایک ربط اس کے داخلی اور مجموعی نظم کے پہلو سے پایا جاتا ہے۔ یہ ایک پیرے کا دوسرے پیرے کا ساتھ بھی ہوتا ہے اور اس کے پیچھے تمام سلسلۂ کلام کے ساتھ بھی۔ البیان میں بالعموم اسے لفظوں میں واضح کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بغیر اس کا ادراک کر لینا قدرے مشکل ہوتا ہے:

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ. وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ. (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۲۴-۲۵)

''سو اگر یہ صبر کریں، تب بھی دوزخ ہی اِن کا ٹھکانا ہے اور اگر نہ کریں، تب بھی۔ اور اگر یہ معافی چاہیں گے تو اِنھیں معافی بھی نہیں دی جائے گی۔ (یہ اِس انجام کو اس لیے پہنچے کہ اِن کے گناہوں کی پاداش میں) ہم نے اِن پر برے ساتھی مسلط کر دیے تو اِن کے آگے اور پیچھے کی ہر

چیز اُنھوں نے اِن کو خوش نما بنا کر دکھائی۔''

پہلا پیرا 'الْمُعَتِّبِيْنَ' پر ختم ہو رہا ہے اور دوسرا 'وَقَيَّضْنَا' سے شروع ہو رہا ہے۔ پہلے میں اللہ کے دشمنوں کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے اور دوسرے میں اس کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ البیان میں دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اُن کے انجام اور اُس کی وجہ میں پایا جانے والا یہ باہمی ربط قوسین کے اندر واضح کر دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا. (الاحزاب ۳۳: ۲۸)

''(اِس طرف سے مایوس ہو کر اب یہ منافقین تمھارے گھروں میں فتنے اٹھانا چاہتے ہیں، اِس لیے)، اے نبی، اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمھیں دے دلا کر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دوں۔''

پیچھے ایک طویل بحث منافقین کے رویے اور جنگ احزاب میں کفار کی ناکامی پر ہوئی ہے۔ اس کے بعد یہاں سے ایک نئی بحث شروع ہونے جا رہی ہے۔ مگر یہ پیچھے سے بالکل بے ربط نہیں ہے، بلکہ البیان کی روشنی میں یہ پورے سلسلۂ کلام پر اس طرح سے مربوط ہوئی ہے: ''(اس طرف سے مایوس ہو کر اب یہ منافقین تمھارے گھروں میں فتنے اٹھانا چاہتے ہیں، اِس لیے)، اے نبی، اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ...''۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۰۔ توجیہ واضح کرنا

بعض مقامات اس طرح کے ہوتے ہیں کہ وہاں کسی بات کے بیان ہونے کی وجہ محض لفظی ترجمہ سے واضح نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے کچھ نہ کچھ توضیح لازماً کرنا پڑتی ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. (الحدید ۵۷: ۱۷)

''(تم آگے بڑھو، کیا بعید ہے کہ اللہ تمھارے دل پگھلا دے)۔ جان رکھو کہ اللہ زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد بھی زندہ کر دیتا ہے۔''

منافقین کے بارے میں فرمایا ہے کہ اُن کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ وہ خدا کی کتاب پر ایمان لے آئیں؟ اور اُن اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل آخر کار سخت ہو گئے؟ اس کے بعد فرمایا ہے: 'اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا'۔ زمین کے دوبارہ سے زندہ ہو جانے کی بات یہاں بیان کرنے کی بظاہر کوئی وجہ

سمجھ میں نہیں آتی۔ چنانچہ البیان میں قوسین کے اندر یہ جملہ لا کر اس کی توجیہ بیان کر دی گئی ہے: ''تم آگے بڑھو، کیا بعید ہے کہ اللہ تمھارے دل پگھلا دے۔''

یہ آیت بھی اس کی ایک اچھی مثال ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ. اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ. (ہود ۱۱: ۱۱۸-۱۱۹)

''تیرا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی گروہ بنا دیتا، (مگر اُس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ اُنھیں ارادہ و اختیار عطا فرمایا ہے تو اب یہی ہو گا کہ) وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے، سوائے اُن کے جن پر تیرا پروردگار رحم فرمائے۔ اُس نے اِسی لیے اُن کو پیدا کیا ہے (کہ وہ اپنے اختیار سے فیصلہ کریں)۔''

اس مقام کا سادہ اور لفظی ترجمہ کسی صورت یہ واضح نہیں کرتا کہ یہاں دوسری اور تیسری بات بیان کرنے کی آخر کیا وجہ ہے؟ اس کے برخلاف، البیان میں اہل نظر دیکھ سکتے ہیں کہ کس اعلیٰ درجے کی مہارت سے ان دو باتوں کو بیان کرنے کی توجیہات قوسین کے اندر بہ خوبی واضح کر دی گئی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۱۔ زمانہ کی تعیین کرنا

قرآن میں یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض اغراض کے پیش نظر کلام کی زمانی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کر دی جاتی ہے۔ عام قاری کو کسی الجھن سے بچانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے زمانے کے بارے میں کوئی نہ کوئی توضیح لازماً کر دی جائے:

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ. (الحجر ۱۵: ۶۷)

''(اس سے پہلے یہ ہوا کہ لڑکوں کو لوط کے گھر آتے دیکھ کر) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آ پہنچے۔''

پچھلی آیات میں بیان ہوا ہے کہ حضرت لوط کے پاس خدا کے فرشتے آئے ہیں اور انھوں نے اپنا تعارف بھی اُنھیں کرا دیا ہے۔ مگر اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ شہر کے لوگ جب لوط کے گھر میں آئے تو اس پر انھوں نے بڑے درد دل کے ساتھ فریاد و فغاں کی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انھیں فرشتوں کا تعارف حاصل تھا تو اُنھیں اس قدر آہ و فغاں اور فریاد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ واقعات کی فطری ترتیب اور سورۂ ہود کی نظیر اس بات کو

بیان کر دیتی ہے کہ یہاں اصل میں واقعہ کی زمانی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ چنانچہ البیان میں اس کا لحاظ کیا گیا اور قوسین کے جملے میں اس کے زمانے کو متعین کر دیا گیا ہے۔

۱۲۔ شبہ دور کرنا

ترجمے میں ہو سکتا ہے کہ قاری کو کسی مقام پر کوئی الجھن اور شبہ لاحق ہو جائے، مترجم کو اس طرح کے مواقع پر اس کا ازالہ ضرور کر دینا چاہیے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (الطلاق ۶۵: ۱۲)

''اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اُنھی کے مانند زمینیں بھی۔ اُس کے احکام اُن کے درمیان نازل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اِس لیے بتا دیا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

اس آیت میں 'لِتَعْلَمُوْٓا' کے سمجھنے میں ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ پچھلی بات سے متعلق ہے یا کسی اور بات کے۔ البیان کے ترجمہ میں لائے گئے یہ الفاظ ''یہ اس لیے بتا دیا ہے'' اس شبہ کا بالکلیہ ازالہ کر دیتے ہیں۔

۱۳۔ شبہ بیان کرنا

بعض اوقات یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِزالہ کلام میں موجود ہو، مگر وہ جس شبہ کا ازالہ ہے، وہی لفظوں میں مذکور نہ ہو:

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ. (الحج ۲۲: ۷۱)

''اللہ کے سوا یہ اُن کی پرستش کرتے ہیں جن کے حق میں اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے اور جن کے بارے میں اِن کو کوئی علم بھی نہیں ہے۔ (یہ احمق سمجھتے ہیں کہ آخرت میں وہ اِن کے مددگار ہوں گے)۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔''

معبودان باطل کی عبادت اس خیال سے بھی کی جاتی تھی کہ وہ آخرت میں اپنے پیروؤں کی نجات کا باعث ہوں گے۔ 'وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ'، اصل میں اسی بات کا جواب ہے۔ البیان میں اس بات، یعنی اس شبہ کو

قوسین کے اندر لکھ کر واضح کر دیا گیا ہے۔

۱۴۔ اختلاف رفع کرنا

تراجم میں بعض اوقات اس بات کی کسی درجے میں گنجایش پیدا ہو جاتی ہے کہ ان میں بے جا قسم کے اختلافات روا رکھے جا سکیں:

وَلِلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ ۚ فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ. (البقرہ ۲: ۱۱۵)

''اور حق یہ ہے کہ مشرق و مغرب، سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔ لہٰذا (اللہ کے حکم پر) تم جدھر رخ کرو گے، وہیں اللہ کا رخ ہے۔''

اس مقام پر بعض حضرات نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جس طرف بھی دیکھا جائے، اُدھر ہی اللہ موجود ہے۔ اسی طرح بعض آزاد منشوں نے یہ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ جس طرف بھی نماز کے لیے رخ کر لیا جائے، اُدھر ہی اللہ ہے۔ البیان میں قوسین کے اندر ''اللہ کے حکم'' کے الفاظ لائے گئے ہیں اور دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس سے اس طرح کے تمام اختلافات کا قلع قمع ہو کر رہ گیا ہے۔

۱۵۔ سوال بیان کرنا

قرآن میں بسا اوقات کسی سوال کا جواب دیا جاتا ہے، مگر وہ سوال لفظوں میں بالکل بھی مذکور نہیں ہوتا:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ. (الرعد ۱۳: ۳۸)

''(اِنھیں اعتراض ہے کہ تم کوئی نشانی کیوں نہیں دکھاتے اور دنیوی علائق کیوں رکھتے ہو)؟ ہم نے، (اے پیغمبر)، تم سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے اور (چونکہ انسان ہی تھے، اِس لیے) اُن کو بیویاں بھی دی تھیں اور اولاد بھی۔ اور کسی رسول کے اختیار میں نہیں تھا کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی نشانی لا دکھائے۔''

اس کا سادہ طریقہ یہی ہے کہ لفظوں میں مذکور جواب کو اُلٹ کر دیکھا جائے اور یوں اس کے سوال کو جان لیا جائے۔ اس لحاظ سے اس مقام پر دو سوالات بنتے ہیں: ایک یہ کہ تم ہمارے مطالبے پر کوئی نشانی کیوں نہیں دکھاتے؟ اور دوسرے یہ کہ رسول کو تو فرشتہ ہونا چاہیے اور اگر تم واقعتاً رسول ہو تو پھر انسانوں کی طرح زندگی

کیوں گزارتے ہو؟ یہی سوالات ہیں جنھیں قوسین کے اندر واضح کر دیا گیا ہے۔

۱۶۔ التفات کو واضح کرنا

قرآن میں بہت سے مقامات پر ہم دیکھتے ہیں کہ کلام میں التفات پایا جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہر مقام پر اس کے بارے میں وضاحت کر دی جائے، وگرنہ یہ امکان بہر صورت موجود رہے گا کہ قاری کے سامنے نہ اصل مدعا کا ابلاغ ہو پائے اور نہ کلام کی سب نزاکتیں ہی اُس کے سامنے آ سکیں۔ یہ التفات جس طرح مضمون کے لحاظ سے ہوتا ہے، اسی طرح کلام کے رخ میں اور خطاب کے صیغوں میں بھی ہوتا ہے۔ مضمون میں ہونے والے التفات کے لیے یہ آیت دیکھ لی جائے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ. (الفرقان ۲۵: ۱) ''بہت بزرگ، بہت فیض رساں ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر یہ فرقان اتارا ہے۔''

اس سورہ میں آگے وہ اعتراضات بیان ہوئے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دنیوی اسباب کی کچھ کمی پر منکرین کی طرف سے اٹھائے جا رہے تھے۔ اس تناظر میں فرمایا ہے کہ اُس بابرکت ذات نے اپنے بندے پر فرقان اتارا ہے۔ ''اپنے بندے'' کے الفاظ، اصل میں پروردگار عالم کی طرف سے آپ پر ہونے والے خصوصی التفات کا مضمون بیان کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں اور البیان کے حواشی میں اس کی اچھی تفصیل کر دی گئی ہے۔

بعض اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ دوران خطاب کسی اور کی طرف ملتفت ہو کر، یعنی اُس کی طرف رخ پھیر کر گفتگو کی جاتی ہے۔ یہ التفات کی دوسری قسم ہے اور اس سے مقصود ایک سے زائد مطالب ہوا کرتے ہیں، مثال کے طور پر، ذیل کی آیت سے کلام کا رخ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرا گیا ہے اور پیش نظر یہ ہے کہ مخالفین کے مقابلے میں آپ کو تسلی اور بر سر موقع چند ضروری ہدایات دے دی جائیں:

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ. (آل عمران ۳: ۵۸) ''یہ ہماری آیتیں اور بڑی پر حکمت یاددہانی ہے جو ہم تمھیں سنا رہے ہیں۔''

ذیل کی آیت میں بھی آپ کی طرف التفات ہوا ہے، مگر اس سے مقصود تسلی اور بشارت کے بجاے اُس عتاب کو بیان کرنا ہے جس کا رخ اصل میں کفار کی طرف ہے کہ وہ قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں اور اس کی تکذیب پر اصرار کر رہے ہیں:

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۡ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ. (ہود ۱۱: ۱۷)

''اس لیے، (اے پیغمبر) تم اس کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑو۔ یہ حق ہے تمھارے پروردگار کی طرف سے، مگر اکثر لوگ نہیں مانتے۔''

التفات کی تیسری قسم میں یہ ہوتا ہے کہ گفتگو کے دوران میں خطاب کے صیغے بدل دیے جاتے ہیں۔ یعنی، غائب کو حاضر میں اور کبھی اس کے برعکس، حاضر کو غائب میں۔ جب غائب سے حاضر کی طرف التفات ہو تو اس سے بعض اوقات شدت غضب کا اظہار مدنظر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کی آیت میں ہوا ہے کہ جب مجرمین کے متعلق غیب کے صیغوں میں ہونے والی گفتگو کے دوران میں 'لَقَدْ جِئْتُمْ' فرما کر ایک دم سے حاضر کا صیغہ لایا گیا ہے:

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا. لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا. وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا. لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا. (مریم ۱۹: ۸۶-۸۹)

''اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ اُنھیں کوئی سفارش لانے کا اختیار نہ ہوگا، مگر جس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہو۔ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ یہ تم نے بڑی ہی سنگین بات کہی ہے۔''

ذیل کی آیت اس لحاظ سے بڑی اہم ہے کہ التفات کے اس اسلوب کی واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ آخرت میں ہر شخص نے وہ چاہے نیک ہو یا بد، بہر صورت جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا. (مریم ۱۹: ۷۱)

''(خدائے رحمٰن کے مقابل میں اکڑنے والو)، تم میں سے ہر ایک کو اس میں لازماً داخل ہونا ہے۔ یہ ایک طے شدہ بات ہے، (اے پیغمبر)، جس کو پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔''

پیچھے مجرمین کے متعلق غیب کے صیغوں میں بات ہو رہی تھی اور یہاں شدت عتاب کو ظاہر کرنے کے لیے 'وَاِنْ مِّنْكُمْ' کے الفاظ میں انھیں براہ راست خطاب کر لیا گیا ہے۔ البیان میں التفات کے اس اسلوب کو واضح کرنے کے لیے قوسین کے اندر آیت کے اصل مخاطبین کو لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔

بعض اوقات غائب سے مخاطب کے صیغوں میں تبدیلی شدت عتاب کے بجاے عنایت خاص کو بیان کرنے کے لیے بھی ہوتی ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (الزخرف ۴۳: ۷۱)

''ان کے آگے سونے کی رکابیاں اور سونے کے پیالے گردش میں ہوں گے اور ان میں وہ سب چیزیں ہوں گی جو دل کو بھاتی اور نگاہوں کو لذت دینے والی ہوں گی اور (اُن کو مژدہ سنایا جائے گا کہ) تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔''

دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ غائب کا اسلوب 'وَاَنْتُمْ' میں آ کر حاضر میں بدل گیا ہے اور اس تبدیلی سے جس مدعا کا ابلاغ پیش نظر ہے، اسے قوسین میں ''مژدہ'' کا لفظ لا کر ادا کر دیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف، جب کلام حاضر سے غائب کے صیغوں میں بدل رہا ہو تو اس سے عام طور پر عدم التفات اور بے پروائی کا مضمون بیان کرنا پیش نظر ہوتا ہے، جیسا کہ ذیل کی آیت میں ہوا ہے جب خطاب کے بعد 'اَمْ اَبْرَمُوْا' کے الفاظ میں غائب کا صیغہ آ گیا ہے:

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ. اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ. (الزخرف ۴۳: ۷۸-۷۹)

''(قریش کے لوگو)، ہم تمھارے پاس حق لے کر آئے ہیں، لیکن تم میں اکثر کا حال یہ ہے کہ حق سے بے زار ہیں۔ کیا انھوں نے کوئی بات ٹھان لی ہے تو یقیناً ہم بھی ٹھان لیں گے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

التفات کی اس تیسری قسم میں بعض اوقات صیغے متکلم کی طرف سے بھی بدل رہے ہوتے ہیں۔ یعنی، متکلم اپنے بارے میں غائب کا صیغہ لاتا ہے اور بعد میں اسے متکلم میں بدل دیتا ہے اور اس سے مقصود کبھی التفات خاص ہوتا ہے تو کبھی زجر اور تنبیہ کے مضمون کو بیان کرنا۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۱)

''ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے اس دور کی مسجد تک لے گئی جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ اس کو ہم اپنی نشانیاں دکھائیں۔''

یہاں دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ 'الَّذِيْٓ اَسْرٰى' سے شروع ہونے والی بات 'بٰرَكْنَا' اور 'لِنُرِيَهٗ' میں متکلم کے صیغوں میں آ گئی ہے اور یہ تبدیلی کیوں ہوئی ہے، البیان کے حواشی میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

اس مثال کے برخلاف، ذیل کی آیت میں صیغہ جب متکلم کی طرف بدلا ہے تو اس سے مقصود مخاطبین کو تہدید کرنا اور انھیں وعید سنا دینا ہے:

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۸)

''(اب بھی) عجب نہیں، (اے بنی اسرائیل) کہ تمھارا پروردگار (ایک مرتبہ پھر) تم پر رحم فرمائے۔ لیکن (یاد رکھو)، اگر تم وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے۔''

۱۷۔ صحیح تاویل بتانا

توضیحات کے سلسلے کی یہ سب سے اہم چیز ہے۔ ترجمے کا بنیادی ہدف چونکہ کتاب اللہ کے اصل مفہوم کو منتقل کرنا ہے، اس لیے وہ تمام وضاحتیں اس میں ضرور لکھ دینی چاہییں جن کے نتیجے میں کلام کی صحیح تاویل کھل کر سامنے آجائے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۱۰)

''اور (اوپر جو نماز، اے پیغمبر، خاص تم کو پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے)، تم اپنی اُس نماز کو نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو، نہ بہت پست آواز سے، بلکہ اِن دونوں کے درمیان کا طریقہ اختیار کرو۔''

'وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ' میں کون سی نماز مراد ہے؟ مترجمین عام طور پر اس سے معمول کی نماز مراد لیتے اور اس کے نتیجے میں طول طویل بحثوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے برخلاف، البیان میں آیت ۷۹ کی روشنی میں قوسین کے اندر اس کی صحیح تاویل واضح کرتے ہوئے بتا دیا گیا ہے کہ یہ اصل میں خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقرر کی گئی، یعنی تہجد کے وقت کی نماز ہے۔

ذیل کی آیت بھی اس کی ایک اچھی مثال ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ

''اِس غیب کو وہی جانتا ہے اور اپنا یہ غیب کسی پر ظاہر بھی نہیں کرتا۔ رہے وہ جن کو وہ رسول کی حیثیت سے منتخب کر لیتا ہے، وہ اپنی طرف سے

رَصَدًا. لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ.(الجن ۷۲: ۲۶-۲۸)

کچھ نہیں کہہ سکتے، اُن کے آگے اور پیچھے تو وہ پہرا لگا دیتا ہے تاکہ معلوم رہے کہ اُنھوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں۔''

عام طور پر مترجمین نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ خدا اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا، البتہ جنھیں وہ رسول بنا دیتا ہے، اُن پر ضرور ظاہر کر دیتا ہے۔ حالاں کہ یہاں 'الْغَيْب' سے مراد اُس عذاب کے آنے کی خبر ہے جس کے بارے میں منکرین کو انذار کیا جا رہا تھا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی خبر خدا کبھی کسی کو نہیں دیتا۔ 'اِلَّا' کے بعد آنے والا اسلوب جو استثنا کے منقطع ہونے کی دلیل ہے، وہ بھی اس عمومی تاویل کی نفی کر رہا ہے اور ہمیں بتا رہا ہے کہ 'اِلَّا' پر پچھلی بات ختم ہو چکی اور اس سے ایک نئی بات شروع ہو رہی ہے۔ سو ترجمہ میں ضروری ہے کہ اس صحیح تاویل کی وضاحت کر دی جائے، جیسا کہ البیان کے ترجمہ میں یہ کر بھی دی گئی ہے۔

ذیل کی آیت ایک اور پہلو سے غیب کے مسئلہ پر بات کر رہی ہے اور اپنے اندر توضیح کی ضرورت کی نہایت نادر مثال رکھتی ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ.

(آل عمران ۳: ۱۷۹)

''(اِس جنگ کے موقع پر جو آزمایش پیش آئی ہے، یہ اُس کو سمجھ نہیں رہے۔ اِنھیں بتاؤ کہ) اللہ یہ نہیں کر سکتا تھا کہ ناپاک کو پاک سے الگ کیے بغیر مسلمانوں کو اُسی طرح چھوڑ دے، جس طرح تم تھے، اور نہ یہ اللہ کا طریقہ ہے کہ تمھیں غیب پر مطلع کر دے (اور اِن کے دلوں کی حالت جان کر تم اِنھیں الگ الگ کر لو)، بلکہ اللہ (کا طریقہ یہ ہے کہ اِس کے لیے وہ) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، منتخب کر لیتا ہے، (پھر اُن کی جدوجہد میں ایسی آزمایش برپا کرتا ہے کہ کھوٹے اور کھرے، سب ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں)، اِس لیے اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھو اور

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

(جان لو کہ) اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو گے
تو تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

خدا کی یہ سنت ہے کہ وہ دینونت سے پہلے مومنین اور منکرین کو الگ الگ متعین کر دیتا ہے۔ لیکن کسی کا حقیقی طور پر مومن یا منکر ہونا غیب کی باتوں میں سے ہے جس کی وہ کسی کو خبر نہیں دیتا، چنانچہ وہ اس مقصد کے لیے اپنے رسولوں کے ذریعے سے آزمایشیں برپا کرتا ہے۔ اس سنت الٰہی کی روشنی میں دیکھا جائے تو آیت کی صحیح تاویل وہی بنتی ہے جسے البیان کے ترجمے میں قوسین کے اندر واضح کر دیا گیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com